NAME OF THE SCHOLAR: **HASAN RAZA**

NAME OF THE SUPERVISOR: **PROF. WAHAJUDDIN ALVI**

NAME OF THE DEPARTMENT: **URDU**

TITLE OF THE THESIS: **DABISTANE LUCKNOW KI QASIDA NIGARI**

.....

ABSTRACT

کسی بھی ملک وقوم کا ادب اس کے تاریخی اور تہذیبی حالات کا ترجمان ہوتا ہے۔ ادب میں اس تہذیب کو تلاش کرنے کا تمہیدی مرحلہ یہ ہے کہ خود اس تہذیب میں ادب کو تلاش کیا جائے۔ گویا تہذیب و ادب لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دیگر اصناف سخن کی طرح اردو قصیدے بھی اپنے عہد کی معاشرت کے سچے ترجمان ہیں۔ دبستانِ لکھنؤ کے قصائد کے شعری دریچوں سے ہم ماضی کے دھندلکوں میں روپوش لکھنو کی تاریخ وتہذیب کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ یہ قصیدہ نگار سلطنت مغلیہ کے زوال پذیر دور کے شاہد ہیں۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں انحطاط کے اثر کو محسوس کیا ہے اور خود بھی اُس انقلابی سیلاب کی موجوں کے تھپیڑے کھائے ہیں جس نے دہلی کی حکومت کو غرقاب کر دیا۔ چنانچہ ان کی تخلیقات کے ذریعہ اس دور کے سیاسی حوادث، معاشرتی حالات اور تہذیبی رجحانات سے باخبر ہونا ممکن ہوجاتا ہے اور ان کے فن کی داخلی فضا کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

یہی اس تحقیق کا مقصد ہے۔ موضوع ''دبستان لکھنؤ کی قصیدہ نگاری'' ہے۔ تحقیق کا مقصد دبستانِ لکھنؤ کی خاص فضا میں لکھے گئے قصیدوں میں اس دور کے ماحول اور معاشرت نیز سماجی عناصر کا باضابطہ جائزہ لینا ہے۔

یہ تحقیقی مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''قصیدہ فن اور روایت'' ہے۔ اس باب میں قصیدے کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے اجزائے

ترکیبی سے تفصیلی بحث کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ۔اس باب میں اردو قصیدے کی روایت کا بھی سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسرے باب میں اودھ کے تاریخی پس منظر اور نواب شجاع الدولہ کے عہد (۱۷۵۳ء) سے لے کر واجد علی شاہ کے عہد (۱۸۵۶ء) تک کے معاشرے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ لوگوں کا مشرب وہی ہو جاتا ہے جو فرمانروا کا ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھنؤ کے عوام اور وہاں کی ثقافت پر دربار اور امراء کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور معاشرے نے انہیں کے نقوش کو مشعل راہ قرار دیا۔ فراوانی دولت نے لکھنو میں مخرب اخلاق تفریحوں اور مختلف قسم کی ''بازیوں'' کو فروغ دیا۔ اس سحر انگیز فضا نے دنیائے ادب میں جن بازاری رجحانات کو فروغ دیا اس کا جائزہ بھی اس باب میں لیا گیا ہے۔

اس مقالے کے تیسرے اور آخری باب کا آغاز مہاجر شعراء کی قصیدہ گوئی سے ہوتا ہے۔ ان شعراء کی قصیدہ گوئی میں لکھنؤ وارد ہونے کے بعد رونما ہونے والے رجحانات پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد لکھنوی شعراء کی قصیدہ نگاری کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور حالات کے نشیب و فراز کے ساتھ ان کی قصیدہ گوئی میں ہونے والی تبدیلیوں کا بیان ہے۔ قصیدہ گوئی کے استادانہ اور تقلیدی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی بھی اس باب میں کوشش کی گئی ہے۔ ان شعراء کے تلامذہ کو قصداً اس مقالے میں جگہ نہیں دی گئی ہے تاکہ ضخامت سے بچا جا سکے۔

اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قصیدے کی آبیاری میں دبستان لکھنؤ نے کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ انشاء کے قصیدے لکھنوی معاشرت کے بگڑے ہوئے مذاق کے آئینہ دار ہیں۔ لکھنوی دبستان شاعری کے دو سلسلے میرؔ کے ہم رنگ ہیں ایک میر حسنؔ کا خاندان دوسرا مصحفیؔ کا سلسلہ جس میں امیرؔ، ریاضؔ، مضطرؔ اور جلیلؔ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی اثر سے آگے چل کر ثاقبؔ، عزیزؔ وغیرہ بھی بہرہ مند ہوئے۔ امیرؔ، جلالؔ اور صفیر بلگرامی وغیرہ شعرا وہ ہیں جو بحیثیت مجموعی قصیدے میں اظہار علمیت، مبالغہ آرائی، شوخی و طراری اور حسن و عشق کے بیانات کے حامی ہیں۔ یہ شعرا استعارات و تشبیہات کے بغیر قدم بھی نہیں بڑھاتے۔ البتہ انھوں نے قصیدوں کی طرز ادا کو جدتیں اور اسلوب کو وسعتیں عطا کی ہیں۔ جبکہ منیرؔ محسنؔ اور نظمؔ وغیرہ نے قصیدوں کو نئی راہوں سے روشناس کرایا۔ اس کے بعد قصیدہ ایرانیت اور شیعیت سے متاثر ہوا اور اس پر مذہبیت غالب آ گئی۔